سزائے قید: جدید قانون سازی کی ضرورت

پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی ٥

گاہے گاہے بچوں اور انسانی حقوق کی تنظیمیں پاکستان میں قیدی بچوں کو قانون سے ماورا سزائیں دینے اور ان کے حقوق نہ دینے پر سخت تشویش کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح قومی پریس کے ذریعے خواتین کی سزائے قید اور جیلوں میں ان سے غیر اخلاقی اور غیر انسانی سلوک کے بارے میں احتجاج کیا جاتا رہا ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ پاکستان ایسے ملک میں جہاں آئین کے تحت اسلامی نظام کا نفاذ ہماری قومی اور دستوری ذمہ داری ہے' آج تک اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ سزائے قید کا بہ حیثیت مجموعی اور خواتین اور بچوں کو سزائے قید دینے کے معاملے کا بالخصوص' کتاب و سنت کی روشنی میں جائزہ لے کر از سر نو قانون سازی کی جائے۔

تعزیرات پاکستان کو شروع سے آخر تک کھنگالیے' جو سزا سب سے عام نظر آئے گی وہ سزائے قید ہے۔ جو اپنی طوالت یا شدت کے اعتبار سے کم و بیش ہونے کے باوجود بلاامتیاز مرد' عورت' بوڑھے' جوان اور بچوں سب کو دی جاتی ہے' سنگین جرائم میں بھی اور معمولی جرائم میں بھی۔ گویا جو تعزیراتی سزا سب سے عام ہے' وہ سزائے قید ہے۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے تعزیرات کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ تعزیری سزا ارتکاب جرم سے باز رکھتی ہے۔ اگر کوئی شخص جرم کا ارتکاب کر چکے تو اس کی اصلاح و تادیب کرتی ہے' اور دوسرے لوگوں کو مجرم کے نقش قدم پر چلنے سے روکتی ہے۔ اس لیے ان امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے:

۱۔ ہر جرم کی سزا معاشرتی اور اجتماعی مصلحتوں کے تقاضے کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اجتماعی مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ مجرم کو سنگین سزا دی جائے تو سزا سخت تر ہوتی ہے اور اگر مصلحت تخفیف کی متقاضی ہو تو سزا میں نرمی برتی جاتی ہے۔

---

٥ ڈین' فیکلٹی آف عربک اینڈ اسلامک اسٹڈیز' علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی' اسلام آباد

۲۔ اگر معاشرتی مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ مجرم سے معاشرے کو پاک کر دیا جائے تو جرم کی نوعیت کے اعتبار سے اسے سزائے موت یا غیر محدود مدت کی قید کی سزا دی جاتی ہے۔

۳۔ جو سزائیں مجرم کی اصلاح اور معاشرے کو اس کی مجرمانہ کارروائیوں سے بچانے کے لیے دی جاتی ہیں ان میں کسی متعین سزا (مثلاً اتنے سال قید وغیرہ) پر اصرار کرنا درست نہیں بلکہ ہر فرد کی نفسیات اور ارتکاب جرم کے حالات کو دیکھتے ہوئے ایسی سزا دی جائے جس سے اس کی اصلاح ہو۔

۴۔ مجرم کی اصلاح اور اس سے انتقام لینے میں بنیادی فرق ہے۔ اصلاح کے لیے سزا کی وہی حیثیت ہے جیسے ایک باپ اپنے بیٹے کو کسی لغزش پر سرزنش کرتا ہے یا ایک طبیب مریض کی جان بچانے کے لیے آپریشن کرتا ہے۔ ان دونوں بہ ظاہر بے رحمانہ کارروائیوں کے پس پردہ بے پناہ رحمت و شفقت کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ اسی طرح جرم کے لیے سزا کے تعین میں ایک ماہر سرجن کی طرح یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جرم کا مرض کس حد تک ہے اور مجرم کس حد تک سزا کا آپریشن برداشت کر سکتا ہے۔

۵۔ افراد معاشرہ کے درمیان جو معاشرتی تفاوت موجود ہوتا ہے' سزا کے تعین میں اسے بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ کسی بہت باعزت شخص کے لیے بعض حالات میں یہی سزا کافی ہوتی ہے کہ اسے احساس دلایا جائے کہ یہ کام اس کے منصب و مرتبے کے مطابق نہیں ہے' جب کہ کسی جرائم پیشہ فرد کے لیے ان الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: اقیلوا ذوی الھیئات عثر اتھم الا الحدود (مسند احمد بن حنبل' ۶: ۱۸۱' نیل الاوطار' ۷: ۱۴۳-۱۴۴)--- باعزت لوگوں کی معمولی لغزشوں سے صرف نظر کر لیا کرو۔

جہاں تک سزائے قید کے جواز کا تعلق ہے تو قرآن حکیم کی دو آیات سے اس پر استدلال کیا گیا ہے۔ پہلی آیت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ جو لوگ اسلامی ریاست میں فتنہ و فساد اور شرانگیزی کا ارتکاب کریں' ڈاکے ڈالیں' یا قتل و غارت کے مرتکب ہوں' ان کو ان کے جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے سزائے قید سے لے کر سزائے موت تک دی جا سکتی ہے۔

سورۃ المائدہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط (المائدہ ۵: ۳۳) جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں' ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں' یا سولی چڑھائے جائیں' یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں' یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔

آیت کے مطابق مذکورہ چار سزاؤں میں سے کوئی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

دوسری آیت سورۃ النساء میں ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ ج فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا (النساء ۴: ۱۵) تمھاری عورتوں میں سے جو کوئی بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اس پر چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں بند کر دو تاکہ وہ فوت ہو جائیں یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ نکالے۔

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پر کوئی الزام تھا۔ رسول اکرمؐ نے اسے کچھ وقت، غالباً ۲۴ گھنٹے کے لیے نظربند رکھا لیکن اس پر الزام ثابت نہیں ہوا تو اسے چھوڑ دیا گیا (ابوداود ۴: ۴۷)۔ ایک دوسرے موقع پر رسول اکرمؐ نے ایسے معاملے میں کہ ایک شخص کسی کو پکڑے رہے اور دوسرا اسے قتل کر دے، یہ فیصلہ فرمایا کہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے اور پکڑنے والے کو عمرقید کی سزا دی جائے (دارقطنی ۳: ۱۴۰، بیہقی ۸: ۵۰)۔

عہد نبویؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں باقاعدہ کوئی قیدخانہ نہیں بنایا گیا۔ اس لیے بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ سزاے قید دینا سرے سے جائز ہی نہیں ہے، البتہ کسی شخص کو نظربند کیا جا سکتا ہے، اس پر کوئی نگران کھڑا کیا جا سکتا ہے یا اگر کوئی شخص قرض کی ادایگی میں بلاوجہ لیت و لعل سے کام لے رہا ہو تو قرض خواہ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ قرض دار کا پیچھا نہ چھوڑے (المغنی ۴: ۴۹۹، الطرق الحکمیة : ۶۲-۶۴، سبل السلام ۳: ۵۰)۔ لیکن عہد نبویؐ یا عہد صدیقیؓ میں مستقل قیدخانہ نہ بنانے سے سزاے قید کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت ضرورت نہیں سمجھی گئی ہو گی، جب کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں مکہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اس میں ہجوگو شاعر الحطیہ کو قید کیا، التمیمی کو جو قرآن حکیم کی بعض آیات کے بارے میں اوٹ پٹانگ باتیں کرتا تھا قید رکھا، اور ابومحجن الثقفی کو بار بار شراب نوشی کی وجہ سے قید کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک پیشہ ور چور اور ٹھگ ضابی بن الحارث کو عمرقید کی سزا دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی کچھ لوگوں کو قید کیا (الطرق الحکمیة : ۱۰۲، اقضیة الرسول : ۵، التعزیر فی الشریعة الاسلامیة : ۲۹۶)۔

فقہاے اسلام نے قرآن و حدیث میں سزاے قید کے جواز کے تمام دلائل کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ قید کی صرف درج ذیل تین صورتیں جائز ہیں:

۱- کوئی شخص پیشہ ور مجرم ہے اور لوگوں کو اس کے شر سے بچانے کا بجز اس کے، کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ اسے تاحیات یا توبہ کر کے اپنی اصلاح کرنے تک سزاے قید دی جائے۔

۲۔ جس کے ذمے اللہ یا بندے کا کوئی حق ہے اور وہ شرعی جواز کے بغیر اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اسے اس وقت تک قید رکھا جا سکتا ہے جب تک وہ حق ادا نہ کرے۔

۳۔ جس شخص پر کوئی الزام ہے اسے قید کیا جا سکتا ہے تاآنکہ اس کی ضمانت نہ ہو جائے یا اس کے بارے میں تحقیق مکمل نہ ہو جائے۔

ان تینوں صورتوں کے پیش نظر یہ کہنا درست ہے کہ سزاے قید کی مدت مقرر کرنا' یا اسے عمومی سزا کے طور پر رواج دینا اسلامی قانون تعزیرات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اول الذکر مجرموں کو ساری عمر معاشرے سے الگ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے انھیں تاحیات سزاے قید دی جاتی ہے۔ البتہ ان کے لیے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے اور توبہ سے مراد زبانی کلامی توبہ نہیں بلکہ اصلاح احوال ہے' یعنی وہ کسی بھی وقت اپنی زندگی کا نہج بدل کر معاشرے میں واپس آسکتے ہیں۔ دوسری صورت میں قید کا مقصد سزا دینا نہیں ہے بلکہ حقوق کی ادائیگی ہے اور جونہی وہ شخص حق ادا کر دے اسے فوری طور پر رہائی مل جاتی ہے۔ جب کہ تیسری صورت میں اسلامی قانون عدل کا تقاضا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو' تحقیق کر کے اگر جرم ثابت ہو جائے تو سزا دی جائے ورنہ چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ رسولؐ اللہ نے صرف ۲۴ گھنٹے بعد' اور ایک دوسرے واقعے میں تقریباً ایک گھنٹے بعد ایسے ملزم کو رہا کرنے کا حکم دے دیا تھا (نیل الاوطار ۷: ۱۵۸-۱۵۹)۔

جہاں تک خواتین کی سزاے قید کا تعلق ہے تو قرآن حکیم کے صریح الفاظ یہ ہیں "انھیں گھروں میں بند کر دو" (النساء ۴: ۱۵)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کو جیل خانوں میں بھیجنا قرآن حکیم کی منشا کے مطابق نہیں ہے۔ قرآن کریم کی رو سے اگر انھیں قید کرنا پڑے تو انھیں گھروں میں' جہاں ان کے محرم رشتے داروں کی آزادانہ آمدورفت ہو اور ان کی عزت و عصمت کے تحفظ کے مسائل نہ پیدا ہوں' وہاں قید کیا جائے۔ اور اگر خواتین کو جیل خانوں میں ہی بھیجنا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے جیل خانے انھیں اسی طرح تحفظ مہیا کرنے والے ہوں جیسا کہ ایک خاتون کو اپنے گھر میں حاصل ہوتا ہے۔ نیز قرآن حکیم کی آیت (البقرہ ۲: ۲۲۶) کی روشنی میں کسی بھی شادی شدہ جوڑے کو چار ماہ یا اس سے زائد ایک دوسرے سے الگ رکھنا جائز نہیں۔ اسی اصول کی بنا پر حضرت عمرؓ نے تمام شادی شدہ فوجیوں کو چار ماہ کے بعد لازمی چھٹی پر گھر بھیجنے کے احکامات جاری کیے تھے (شبلی نعمانی' الفاروق' ص ۳۴۵)۔ چنانچہ کسی بھی شادی شدہ مرد یا خاتون کو سزاے قید دیتے ہوئے قرآن حکیم کے اس حکم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نابالغ بچوں کو سزاے قید دینے کے بارے میں فقہا کی آرا کا حاصل یہ ہے کہ اگر نابالغ لڑکا خود کاروبار یا تجارت کرتا ہو اور کسی کا ایسا مالی نقصان کر دے جو قابل تعزیر ہو تو اس لڑکے کے بجائے' اس کے باپ یا

سرپرست کو اس وقت تک قید رکھا جائے جب تک کہ مالی نقصان پورا نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ بچے کا جرم درحقیقت والدین یا سرپرست کی تربیت کی خامی ہے جس کی اسے سزا ملنا چاہیے۔ بعض علما نے اس صورت میں بچے کو اس وقت تک قید رکھنے کی اجازت دی ہے جب تک والدین یا سرپرست نقصان کی تلافی نہ کر دے (المبسوط ۲۰:۹۱)۔

فوج داری جرائم میں بچے کو سزا کے طور پر قید نہیں رکھا جا سکتا' البتہ تادیب اور اصلاح کے لیے اسے قید کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ سزاے قید موجب اصلاح ہو۔ اکثر فقہا کی راے یہ ہے کہ عورتوں کی طرح بچوں کو بھی ولی یا سرپرست کے گھر قید کیا جائے۔ انھیں عام قید خانوں میں نہ رکھا جائے (حاشیہ ابن عابدین ۴: ۲۵۷' ۵: ۳۲۶؛ المغنی ۸: ۱۱۵)۔

اگر سزاے قید کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ تعزیراتی سزا میں جو حکمت و مصلحت کارفرما ہوتی ہے' کیا سزاے قید سے وہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں؟ تو درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ قید کی سزا بجائے خود ملکی ترقی کے لیے سدِراہ ہے۔ اگر اس بات کا حساب کیا جائے کہ ملک بھر میں قیدیوں کی کل تعداد کتنی ہے اور اس میں سے کتنے ایسے ہیں جو اپنی صلاحیتیں پیداآوری کاموں میں صرف کر کے ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے سکتے ہیں لیکن باوجود کوشش کے ان کے لیے جیل خانوں میں مناسب کام مہیا نہیں کیے جا سکے تو چشم کشا صورت حال سامنے آئے گی۔ ان کی صلاحیتیں اور قوت کار ضائع ہوتی ہے۔ اس سے ایک طرف قومی آمدنی میں کمی واقع ہوتی ہے اور دوسری طرف ان کے اخراجات اور ان کی وجہ سے جیل خانوں پر اٹھنے والے بھاری اخراجات قومی خزانے پر بوجھ بنتے ہیں' جب کہ سزاے قید کے علاوہ بھی تعزیرات کے ایسے طریقے ہیں جن کو بروئے کار لا کر لوگوں کو جرائم سے باز اور محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اور اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو کام سے معطل کر کے ان کے اخراجات قومی خزانے پر ڈالنے کے عمل کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اگر سزاے قید سے کوئی اصلاح کی صورت پیدا ہوتی تو اتنے بھاری اخراجات برداشت کرنے کا جواز بھی تھا۔ لیکن مشاہدات و تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدخانے اصلاحی مراکز بننے کے بجائے جرائم کی تربیت کے مراکز ہیں۔ جیلوں میں بسااوقات ایسے لوگ بھی چلے جاتے ہیں جو طبعاً اور حقیقتاً جرائم پیشہ نہیں ہوتے بلکہ کسی اتفاقی حادثے میں ان سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا ہے اور وہ جرائم سے نفرت کرتے ہیں لیکن جب ایک بار جیل یاترا کر آتے ہیں تو وہاں انھیں ایسے ایسے ماہرین فن کی صحبت میسر آتی ہے کہ ان پر ایک نئی دنیا کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ عیب اور بدنامی کا جو داغ' دامن پر ایک بار اتفاقاً لگ چکا ہوتا ہے وہ اسے فن کی بلندیوں تک پہنچانے کا عزم لے کر جیل سے باہر آتے ہیں۔

۳۔ سزاے قید میں غالباً سرے سے یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ جرائم سے باز رکھنے میں ایک موثر عامل ثابت ہو، کیوں کہ اعداد و شمار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ جتنی سخت سزاے قید بھگت کر آتے ہیں، باہر آکر اسی قدر بڑا جرم کر کے واپس قید خانے پہنچ جاتے ہیں۔ اگر سزاے قید جرائم سے باز رکھنے میں موثر ہوتی تو سزا بھگت کر آنے والے افراد دوبارہ ان جرائم کا ارتکاب نہ کرتے۔

۴۔ سزاے قید کا ایک اور اثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کی وجہ سے احساس ذمہ داری ختم ہو جاتا ہے۔ جو شخص ایک طویل مدت تک اپنے افراد خانہ کی ضروریات کی کفالت کی ذمہ داریوں سے دور، سرکاری نان نفقے پر پرورش پاتا ہے، اس کے دل سے رفتہ رفتہ یہ احساس ہی جاتا رہتا ہے کہ آدمی کو اپنی اور اپنے کنبے کی ضروریات کی کفالت کے لیے خود جدوجہد کرنی چاہیے۔ مزید برآں معاشرے میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جاتا ہے جو اپنی سزاے قید کو باعث فخر سمجھتا ہے اور اسے پُرامن شہریوں سے کیش کرواتا ہے۔ چنانچہ تمام شہروں میں نام نہاد پہلوانوں کے گروہ جو شہریوں سے بھتہ وصول کرتے ہیں اور ان پر اپنا رعب و دبدبہ رکھتے ہیں، ہمارے جیل خانوں کی پیداوار ہیں۔ اور جب ان ہی پہلوان نما افراد کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو پورے معاشرے کی زمام کار جرائم پیشہ طبقے کے ہاتھ میں آجاتی ہے جو کسی بھی ملک، قوم اور معاشرے کے لیے تباہی کا آخری درجہ ہے۔

۵۔ جیل خانوں میں غیر صحت مند ماحول، طبی سہولتوں کی کمی، جگہ کی قلت اور افراد کی کثرت کے باعث گوناگوں طبی اور اخلاقی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ قیدی بے شمار جلدی، صدری اور جنسی امراض لے کر معاشرے میں پھیل جاتے ہیں۔

انھی اسباب کی بنا پر اسلامی نظام تعزیرات میں سزاے قید کو کبھی عمومی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ سزاے قید کی حیثیت روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی برائیوں کے سدباب کے لیے معمولی سزا کی تھی کہ چند روز کسی شخص کو قید میں رکھ کر تنبیہہ کر دی جائے۔ اور ایسے لوگ چونکہ دوبارہ جیلوں میں نہیں آتے اور ان کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہوتی اور جیلوں میں ان کا قیام بہت مختصر ہوتا ہے، اس لیے اس سے وہ خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں جو طویل سزاے قید کا ورثہ ہیں۔ اس طریق کار کی وضاحت امام ابویوسفؒ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ہارون الرشید کی درخواست پر اس کی حکومت کے لیے نظام کار کے طور پر تیار کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر آپ حدود کے نفاذ کے لیے احکام جاری کر دیں تو قیدیوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور جرائم پیشہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں گے۔ قیدیوں کے معاملات پر توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ اس لیے آپ اپنے حکام کو ہدایت کریں کہ ہر چند روز کے بعد قیدیوں کے معاملات کا جائزہ لیں۔ جسے سزا

دینی ہو' سزا دے کر آزاد کر دیں اور جس پر جرم ثابت نہیں ہوا' اسے فوراً چھوڑ دیں اور سزا دینے میں حد سے تجاوز نہ کریں (کتاب الخراج)۔

تمام اسلامی فقہا تعزیر کے طور پر بدنی سزا (کوڑے مارنا) دے کر مجرم کو فوری طور پر رہا کرنے کے قائل رہے ہیں تاکہ وہ اپنے جرم کی سزا بھگت کر اپنی روز مرہ زندگی میں واپس چلا جائے اور آیندہ کے لیے محتاط زندگی گزارے۔ یاد رہے کہ اسلامی نظام تعزیرات کے کوڑوں اور مارشل لائی کوڑوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تعزیری کوڑے کا مقصد سزا دینا ہے۔ جان سے مارنا' زخمی کرنا یا ناکارہ کر دینا نہیں ہے۔

ان تمام امور کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قیدیوں کی دیکھ بھال اور ان پر اٹھنے والے اخراجات جو ہر سال کروڑوں تک پہنچ جاتے ہیں' سرکاری خزانے سے پورے کیے جاتے ہیں۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ملک کے شہری ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ گویا قیدیوں کے اخراجات کی ذمہ داری اس معاشرے پر ڈال دی گئی ہے جس کے خلاف جرم کر کے وہ سزاے قید بھگت رہے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایک طرف معاشرہ جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں زخم خوردہ ہے اور دوسری طرف اپنے خلاف جرم کرنے والوں کی کفالت کی ذمہ داری کے زیربار ہے۔ اس صورت حال میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ سزاے قید کی صورت میں اصل سزا معاشرے کے بے گناہ افراد کو دی جاتی ہے جو دوگنا ہے' زیادتی کا شکار بننے کی اور ٹیکس دے کر مجرموں کو پالنے کی بھی۔ کیا قانون ساز اداروں کا فرض نہیں ہے کہ وہ ان حقائق پر غور کریں؟

ہماری تجویز یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان اور اس نوعیت کے دوسرے قوانین کا جائزہ لے کر تعزیری نظام کی اصلاح کے لیے اقدام کیا جائے یا وفاقی شرعی عدالت جس کے پاس کتاب و سنت کی روشنی میں قوانین کا ازخود جائزہ لینے کا اختیار موجود ہے' اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے موجودہ قوانین کو جانچنے کے اقدامات کرے۔ سب سے بہتر طریق کار یہ ہو گا کہ تعزیرات پاکستان میں پیوند کاری کے بجائے پورے تعزیراتی قانون کو کتاب و سنت کے مطابق مدون کر کے اسے قانون ساز اداروں سے منظور کرایا جائے۔

ترجمان القرآن کا زر تعاون سالانہ اندرون ملک کے لیے اب ۲۰۰ روپے سالانہ ہے۔ بیرون ملک شرح میں بھی ۵۰ روپے کا اضافہ ہوا ہے۔ تفصیل پہلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے۔